"میرا گاؤں"ناول کے مرکزی کردار عبدالرحمن کا تحلیل نفسی کے تناظر میں جائزہ

"Mera Gaon", the Main Character of the Novel, Abdul Rehman, is Evaluated in the Context of Psycho-analysis

عاصم سعید پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اردو، جی سی یونیورسٹی لاہور

Abstract:

Sigmund Freud's Theory of psycho-analysis profound impacts on literature. In the context of psycho-analysis, when the aspects of the past life of the writers, their writings and the dialogues and movements of the characters in these writings were critically evaluated, criticism came to light form new angles. In the field of criticism, the school of psychological criticims grew. Sigmund Freud discovered the three components of the mental realm: The Id, The Ego and The Super ego. Literary critics further expanded literary criticism by psychologically examining the fictional characters in the context of these components. The objectives of this research paper are to explain the terms "Id, Ego and Super ego of cognitive psychology and the review is to be submitted in the context of the Id, Ego and Super ego of the main character of "Abdur Rehman alias Mahna" in Ghulam-us-Saqlain Naqvi's famous novel "Mera Gaon ."

Keywords: Mera Gaon, Abdur Rehman alias Mahna, Cognitive Psychology, Review, The Id, The Ego and The Super ego, Psycho-analysis.

سگمنڈ فرائڈ کو تحلیلِ نفسی کا بانی قرار دیا جاتا ہے۔ اُس نے غیر معمولی انسانی رویوں اور برتاؤ کو اپنے مطالعے کا محور بنایا۔ سگمنڈ فرائیڈ نے حسد، رقابت، محبت، نفرت، خوف، دہشت، ندامت، پشیمانی، انتقام، علامت اور اس طرح کے دیگر رویوں کا مطالعہ کیا۔ اس کے مطالعہ کا ذریعہ وہ مریض تھے جو اس کے پاس علاج کے لیے آتے تھے۔ سگمنڈ فرائڈ کی علمِ نفسیات میں اہمیت اس سبب سے ہے کہ اس نے انسانی برتاؤ کے سائنسی مطالعے کی بنیاد رکھی۔ اس نے انسانی ذہن، شخصیت، برتاؤ اور رویوں کو سائنسی معیار پر پرکھنے کی کوشش کی۔ انسانی فوق العادت رویوں کے مشاہدات سے سگمنڈ فرائڈ نے تصوراتی اجزاء اِڈ(Id)، اِیغو(Ego)اور سپر ایغو(Super Ego)کی دریافت کی۔ وہ تحلیل نفسی کی مدد سے ذہنی مریضوں کا علاج کیا کرتا تھا۔ فرائڈ انسان کی اپنی لاشعوری جبلّتوں کو اہمیت دیتا ہے۔

سگمنڈ فرائڈ ذہنی سلطنت کے قدیم ترین حصے کو اِڈ(Id)کا نام دیتا ہے۔ بہ قول فرائڈ:

"اس(Id)میں ہر وہ چیز شامل ہے جو ہمیں وراثت میں ملتی ہے۔"(۱)

منہ زور اور بے لگام جبلی خواہش کا دوسرا نام اِڈ(Id) ہے۔ یہ انسانی نفسی و طبعی میلانات، جنسی و جبلی رجحانات اور حیاتی توانائی کا حامل ہوتا ہے۔ یہ تمام جبلی تقاضوں کا منبع و مصدر رہے۔ بہ قول ڈاکٹر نعیم احمد:

"اِڈ(Id)کی سرکش قوتیں کسی اخلاقی ضابطے، مذہبی اصول یا سماجی و سیاسی قانون سے واقف نہیں۔ یہاں مکمل انتشار اور نراج کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ یہاں کی ہر خواہش اور جبلت کا صرف ایک ہی مقصد ہے اور وہ ہے فوری تکمیل۔ اسی لیے اِڈ(Id)کی توانائی کو آزاد توانائی کہا جاتا ہے اور یہ توانائی اُصولِ لذت(Pleasure Principle)کے تابع ہیں۔"(۲)

اِڈ(Id)کی منہ زور خواہش مذہبی، اخلاقی اور معاشرتی تحریمات سے ماورا ہوتی ہے۔ وہ تو بس حصولِ لذت کے اصول کی تابع ہے۔ اِڈ کا خارجی دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس کا تعلق اگر ہے تو وہ انسان کی داخلی دنیا سے ہے۔ اس میں نہ کوئی زمان و مکاں کی قید ہے اور نہ ہی وقت کا ہیر پھیر اس پر اثر انداز ہوتا ہے۔ بہ قول سگمنڈ فرائڈ:

"اِڈ صرف جابر اُصول لذت(Pleasure Principle)کی اطاعت کرتی ہے۔"(۳)

سادہ الفاظ میں اِڈ(Id)انسانی جبلی خواہشات اور ارمانوں کی تسکین کا نام ہے۔ انسان کے من میں ہر قسم کی خواہشات جنم لیتی رہتی ہیں، چاہے وہ مذہبی یا سماجی شریعت کے منافی ہی کیوں نہ ہوں۔ ایسی خواہشات کو سگمنڈ فرائڈ اِڈ(Id)کا نام دیتا ہے۔ جو صرف اور صرف ہر حال میں پورا ہونا چاہتی ہیں۔

اِڈ(Id)کے بعد ذہنی زندگی کے دوسرے تصوراتی جز کو فرائڈ انا(Ego)کا نام دیتا ہے۔ انا، اِڈ اور خارجی دنیا کے درمیان واسطے کا کام سرانجام دیتی ہے۔ انا(Ego)اِڈ کی ہر خواہش کا جائزہ لیتی ہے اور یہ فیصلہ کرتی ہے کہ آیا اس کی تسکین ہونی چاہیے یا نہیں یا اسے آنے والے سازگار حالات اور وقت کے لیے ملتوی یا مؤخر کر دیتی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان تحریکات کو بالکل مسترد کر کے دبا دیتی ہے۔ بہ قول سگمنڈ فرائڈ:

"انا یہ فیصلہ کرتی ہے کہ تسکین حاصل کرنے کی کوشش کی تکمیل کرنا چاہیے یا اس کو ملتوی کر دینا چاہیے یا خطرناک ہونے کی بنا پر جبلت کے تقاضے کو بالکل دبا دینا ضروری ہے یا نہیں۔"(۴)

جس طرح اِڈ کا جھکاؤ قدرتی طور پر حصول لذت کی طرف ہے اسی طرح انا کا میلان فکر و دانش کی طرف ہے۔ انا تحفظ ذات کا فرض نبھاتی ہے اور اِڈ (Id) اسے نظر انداز کرنے کے در پے رہتا ہے۔ انا اِڈ کے منہ زور تقاضوں کے عوض پیدا ہونے والی پیچیدہ صورت حال کی طرف اشارے کا کام دیتی ہے۔ انا اِڈ کی ماحول سے مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ بہ قول ڈاکٹر نعیم احمد:

> ''اِیغو وہ دیدہ بینا اور خضر راہ ہے جو ماحول کی سختی، گرمی اور سماجی حقائق کی اونچ نیچ کے پیش نظر اِڈ کی راہ نمائی کرتا ہے۔''(۵)

انا اِڈ کی اس طرح تربیت کرتا ہے کہ جب تک خارجی دنیا میں اِڈ کی خواہش پوری ہونے کے لیے ساز گار حالات پیدا نہ ہو جائیں یا مذہبی یا معاشرتی شریعت کے اندر رہ کر ممکنا صورت حال جنم نہ لے لے تب تک اِڈ اپنی اُصولِ لذت کی طلب کو دبائے رکھے۔ بہ قول ڈاکٹر نعیم احمد:

> ''اِیغو پیچیدہ نفسیاتی اعمال کا ایسا نظام ہے جو اِڈ کی رستخیز قوتوں کو فکر و دانش کی لگام پہناتا ہے اور انھیں ماحول کے حقائق سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔''(۶)

انا اِڈ اور سماجی تحریمات کا آپس میں سمجھوتا کروانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اِڈ کی جائز خواہشات کو پورا کرنے میں رکاوٹ کا کام نہیں دیتا بلکہ ان تقاضوں کی تسکین کے لیے اِڈ کو صراط المستقیم کی راہ دکھاتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر جنسی تسکین حاصل کرنا اِڈ کی خواہش ہے تو انا اُسے نکاح ہونے تک اس خواہش کو دبائے رکھنے کا درس دیتا ہے۔ لیکن وہ اِڈ کی اس جائز خواہش کی بالکل نفی نہیں کرتا بلکہ جائز راستے کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔

وراثت اور سماجی ماحول انسانی شخصیت کی تشکیل میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ والدین کی شخصیتیں بھی انسان پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ تمام نسلی، قومی اور خاندانی روایات بچہ اپنے والدین سے سیکھتا ہے۔ جس سماجی ماحول میں بچہ پرورش پاتا ہے اُس کی تمام سماجی شریعت بچے کی ذات میں داخل ہو جاتی ہے جس کی نمائندگی والدین کرتے ہیں۔ جو مروجہ سماجی اقدار انسان کی ذات میں راسخ ہو جاتی ہیں سگمنڈ فرائڈ انھیں سپر اِیغو کا نام دیتا ہے۔ بہ قول ڈاکٹر نعیم احمد:

> ''سپر اِیغو معاشرے کے رسوم و رواج اور اقدار و روایات کا امین ہوتا ہے جنھیں والدین بچے کے شعور میں راسخ کرتے ہیں۔''(۷)

ذہنی سلطنت کا یہ عامل (سپر اِیغو) ان اعمال (معاشرتی اقدار) کے سلسلے کو جاری رکھتا ہے جس کا تعلق خارجی دنیا سے ہیں۔ یہ انا کا مشاہدہ کرتا ہے اور اس کی اصلاح کرتا ہے۔ اسے دنیاوی اور آخرت کی سزاؤں سے ڈراتا ہے۔ جس طرح

اس کے والدین ڈرایا کرتے تھے جن کی اب وہ نمائندگی کرتا ہے۔ فوق الانا کے اس تصوراتی جز سے ہم انسانی ضمیر (Human Conscience) کی حیثیت سے واقف ہیں۔ کبھی کبھار فوق الانا اس قدر سخت گیری اختیار کر لیتا ہے جس کی مثال حقیقی والدین نے بھی پیش نہیں کی تھی۔ مثال کے طور پر اگر کوئی لڑکی قدامت پسند معاشرے میں اپنی مرضی سے شادی کر لیتی ہے اور اُس کا والد ردِ عمل کے طور پر اسے جان سے مار دیتا ہے، ممکن ہے کہ اگر جان سے مارنے والے کی بہن اپنی مرضی سے شادی کرتی تو اُس کے والدین اُس کی اس حرکت پر سرزنش تو کرتے لیکن جان سے نہ مارتے۔ فوق الانا انا کے غیر اخلاقی اعمال کے ساتھ ساتھ غیر مہذب خیالات پر بھی اس کی سرزنش کرتا ہے اور انسانی ذہن کو خود احتسابی میں مبتلا رکھتا ہے۔ اِڈ اور فوق الانا میں ایک قدر اس لحاظ سے مشترک ہے کہ دونوں ماضی کے اثرات کی نمائندگی کرتے ہیں۔ بہ قول ڈاکٹر نعیم احمد:

> ''اِڈ' وراثت کے اثر کی نمائندگی کرتا ہے اور فوق الانا بنیادی طور پر ان اثرات کی نمائندگی کرتا ہے جو دوسرے لوگوں سے اخذ کئے گئے ہیں۔''(۸)

اِیغو اُصول حقیقت کے تناظر میں خارجی دنیا سے مطابقت کے طور طریقے سیکھتا ہے۔ دوسری طرف فوق الانا اپنے والدین کے احکام اور ممنوعات کو داخلی سطح پر اپنا لیتا ہے۔ سپر ایغو شخصیت کے لیے اخلاقی ضابطے کا درجہ رکھتا ہے۔ جب بچہ اپنے والدین کے طرزِ حیات اور طرزِ فکر کا مشاہدہ کرتا ہے تو اسے اس حقیقت کا ادراک ہوتا ہے کہ اُس کے والدین کن امور کو گناہ اور ثواب، اچھا اور برا سمجھتے ہیں تو اس کے ایغو میں سے سپر اِیغو ایک اخلاقی شعور کی حیثیت سے جنم لیتا ہے۔ بچہ پختہ ذہن ہونے تک خیر و شر سے آگاہی حاصل کرتا رہتا ہے اور پھر یہ آگاہی اس کی ذات کا ناگزیر حصہ بن جاتی ہے۔ یہی آگاہی سپر ایغو کا درجہ حاصل کر لیتی ہے جو زندگی کے معاملات میں از خود فیصلے کرتا ہے اور والدین کی ہدایت و راہ نمائی کا محتاج نہیں رہتا۔ سپر اِیغو سماجی شریعت کے اصول سیکھنے کا عمل اور تہذیب و ثقافت سے آگہی حاصل کرنے کا ایک وسیلہ بھی ہے۔ بہ قول ڈاکٹر نعیم احمد:

> ''(سپر اِیغو کو) ہم شخصیت کا اخلاقی اور عدالتی شعبہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ اصول حقیقت یا اصول لذت کے بجائے کسی نصب العین یا آدرش کا غماز ہوتا ہے اور اعمال و افعال کو معیاری اور مثالی بنانا چاہتا ہے۔ اس لحاظ سے ہم اسے شخصیت کے لیے ایک ''اخلاقی ضابطے'' کا نام دے سکتے ہیں۔''(۹)

سپر اِیغو انسانی شخصیت کو اِڈ کی وحشت زدہ دنیا سے نکال کر ایک معزز، مہذب اور معقول انداز میں معاشرے کے اندر زندگی گزارنے کے قابل بناتا ہے۔ اِڈ کی غیر اخلاقی جبلّتوں اور سپر اِیغو میں ازلی دشمنی پائی جاتی ہے۔ مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ اِڈ جبلی تقاضوں کو پورا کرنے کے درپے رہتا ہے اور انا جبلی ضرورتوں اور تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اِڈ کو ایسے

راستوں کی نشاندہی کرتا ہے جو راستے معاشرتی یا مذہبی شریعت کے اُصولوں سے نہ ٹکراتے ہوں۔ جبکہ سپر اِیغو ایسا جابر حکمران ہے جو اِڈ کے وحشی جذبوں کی تسکین کے خلاف بغاوت کرتا ہے بلکہ ایسے ارمانوں کے خیالات کو بھی نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

سگمنڈ فرائڈ کے تحلیلِ نفسی کے نظریے نے دیگر علوم کے ساتھ ساتھ ادب کو بھی متاثر کیا۔ نفسیاتی تنقید کے نام سے نئے تنقیدی دبستان نے جنم لیا۔ تحلیلِ نفسی کے نظریے کے تناظر میں ادیب، ادب اور افسانوی ادب کے کرداروں کا تنقیدی جائزہ لینا شروع ہو گیا۔ ادب لکھاریوں نے کرداروں کی خارجی اور باطنی کیفیات کو پیش کرنا شروع کر دیا۔ افسانوی ادب میں کرداروں کی اہمیت سے انکار نا ممکن ہے۔ افسانوی ادب کے کردار جیتی جاگتی حقیقی زندگی کے انسانوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ معاشرتی زندگی کے خارجی حالات انسانوں کی داخلی اور جذباتی کیفیات کی نشوونما میں معاون کردار ادا کرتے ہیں۔

''میرا گاؤں''میں کچھ کردار مرکزی حیثیت کے حامل اور کہانی کے تسلسل کو بڑھانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں اور باقی تمام کردار ثانوی حیثیت کے مالک ہیں۔ مرد کرداروں میں سب سے اہم کردار عبدالرحمٰن عرف ماہنا ہے۔ پورے ناول میں اس کردار کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ کیونکہ ناول کی کہانی اسی کردار کی زبانی پیش کی گئی ہے۔ پورے گاؤں کی زندگی ماہنے کی زبان ہی سے قاری کے سامنے منعکس ہوتی ہے۔ اس بیانیہ میں عبدالرحمٰن کا اپنا جذباتی اُتار چڑھاؤ بھی موجود ہے۔ ماہنا گاؤں کا ایسا ناظر اور مبصر نہیں ہے جو محض معروضی انداز سے گاؤں کی زندگی کو دیکھتا اور بیان کرتا چلا جاتا ہے بلکہ وہ گاؤں کے معاملات میں عملی طور پر حصہ لیتا ہے اور مشاہدے میں آنے والے واقعات کو اپنے علم و آگہی اور عقل و دانش کے مطابق مفاہیم دینے کی کوشش کرتا ہے۔ ناول ماہنے کی عمر کے ساتھ آہستہ خرام آگے بڑھتا ہے اور اس کی عمر کے ساتھ ہی اس میں پختگی آتی چلی جاتی ہے۔ عبدالرحمٰن عرف ماہنے کا کردار عمومی خصوصیات کا حامل ہے۔ اُس کے کردار میں کوئی ایسی خوبی یا خامی نہیں ہے جسے فوق العادت کہا جا سکے۔ عام انسانوں کی طرح اُس کی ذات میں بھی مثبت اور منفی رویوں کا امتزاج پایا جاتا ہے۔ لیکن اُس کی ذات میں مثبت رویے منفی رویوں کی بہ نسبت غالب ہیں۔ انسانی جبلت کے تحت ماہنا بھی کبھی زندگی کے سفر میں بہک جاتا ہے۔ مگر اُس کا سپر ایغو اس قدر طاقتور ہے کہ وہ جلد ہی اُسے راہِ راست پر لے آتا ہے۔ انسانی جبلت کے تقاضوں سے انکار نا ممکن ہے۔ البتہ اِن منہ زور تقاضوں کو دبایا جا سکتا ہے۔ مگر اِن کو مکمل طور پر ختم نہیں کیا جا سکتا۔ وقتاً فوقتاً یہ جبلی تقاضے نمودار ہو کر اپنے زندہ ہونے کا احساس دلاتے رہتے ہیں۔ ''میرا گاؤں''کا مرکزی کردار عبدالرحمٰن عرف ماہنا بھی ایسے تقاضوں کا حامل ہے۔ ماہنا اپنی جبلت سے مجبور ہو کر جنسی خواہش، حسد، رقابت، غصے اور عشق کا اظہار کرتا ہے۔ تیرہ سال کی عمر میں ماہنے کے اندر بلوغت کے اوصاف نمودار

ہوتے ہیں۔ وہ اپنی محبوبہ شیماں کو جنسی حوالے سے بالغ نظروں سے دیکھتا ہے اور اُسے اس لمحے پہلی دفعہ شرمساری محسوس ہوتی ہے:

''بہتی ندی کے تیرھویں موڑ کے کنارے پر کھڑے ہو کر میں نے شیماں کو غور سے دیکھا۔۔۔۔ ایک نظر۔۔۔۔ اور مجھے نہ جانے اپنی اس نگاہ پر شرم کیوں محسوس ہوئی۔''(۱۰)

پہلی دفعہ جب ماہنے نے شیماں کو دیکھ کر اپنی نظروں میں جنسی لذت کو محسوس کیا تو اس لمحے اُس کی ذات میں موجود انا(Ego)نے آگے بڑھ کر جبلی تقاضے کے ظاہر ہونے پر اِڈ کی سرزنش کی۔ جس کی وجہ سے ماہنے کو شرم محسوس ہوئی اور اپنے بالغ ہونے کا احساس ہوا اور اُس نے اپنی نظروں میں جنسی کشش کے محسوس ہونے کو غیر اخلاقی عمل سمجھا۔ ناول میں ایک اور جگہ چوہدری شرف دین کی بیٹی حمیداں کی ملاقات ماہنے سے آٹا پیسنے والی چکی پر ہوئی۔ چکی پر بنے لکڑی کے تختوں پر ماہنا اور حمیداں کھڑے ہوتے ہیں۔ تختوں کی حرکت کی وجہ سے دونوں کے جسم ایک دوسرے کے ساتھ مَس ہوتے ہیں اور ماہنا مسرت انگیز لذت محسوس کرتا ہے:

''حمیداں میرے پہلو کے ساتھ لگ کر کھڑی تھی۔ اُس کا بدن میرے بدن سے چھو رہا تھا اور تختوں کی کپکپاہٹیں ہمارے جسموں کو ایک دوسرے سے ملا ملا کر الگ کر رہی تھیں اور مجھے عجیب سا سکون مل رہا تھا۔''(۱۱)

اس بار ماہنے کی منہ زور جنسی جبلت(اِڈ)اس قدر طاقتور ہے کہ اُس کا جسم حمیداں کے جسم سے مَس ہو رہا ہے لیکن اُسے اس عمل کے بعد ذرا بھی ندامت محسوس نہیں ہوتی۔ حالاں کہ شیماں کو محض جنسی لذت بھری نظروں سے دیکھنے کے بعد اُسے شرمساری کا احساس ہوتا ہے۔ ماہنا اور اُس کا دوست سلیمان عرف سُلی شیماں کے گھر کنچے (کانچ کی گولیاں) کھیلنے جایا کرتے تھے۔ آٹا پیسنے والی چکی کا مستری بھی شیماں کے گھر جاتا تھا۔ مستری باتوں باتوں میں شیماں سے چھیڑ خانی کیا کرتا تھا۔ اُس کی شیماں کے گھر میں موجودی اور شیماں کے ساتھ دل لگی والی باتیں ماہنے کے دل میں لاشعوری طور پر جذبۂ حسد کو جنم دیتی ہیں۔ اس حوالے سے ناول میں سے دو مثالیں ملاحظہ کیجیے:

''مستری تیسرا شخص تھا جس کی شیماں کے آنگن میں موجودگی مجھے بہت کھل رہی تھی۔ جیسے وہ پوہلی کا پودا ہو جسے ہم کھیتوں سے اُکھاڑ پھینکا کرتے ہیں۔''(۱۲)

''میں جب بھی اُسے شیماں کے آنگن میں دیکھتا، میرا رواں رواں کانٹے کی نوک بن جاتا۔''(۱۳)

شروع شروع میں ماہنا جب مستری کو شیماں کے گھر میں دیکھتا تو وہ حسد اور رقابت کی آگ میں جلتا۔ لیکن پھر ماہنے کی رقابت اور حسد کا جذبہ شدت اختیار کر لیتا ہے اور وہ ایک دن شیماں کے آنگن میں گولیاں کھیلتے ہوئے اپنے جذبۂ رقابت، رشک اور غصے کا اظہار یوں کرتا ہے:

''میرا تن من تھر تھرا گیا۔ تب دھوپ لرز گئی اور میں نے ساری گولیاں آنگن میں بکھیر
دیں اور اُن کے ساتھ میں بھی آنگن میں بکھر گیا۔''(۱۴)

ماہنا شیماں سے محبت کرتا ہے۔ دونوں بچپن کے ساتھی ہیں۔ دونوں اکٹھے کھیلتے کھیلتے بلوغت کی عمر کو پہنچ جاتے ہیں۔ دونوں کو ایک دوسرے سے محبت ہو جاتی ہے۔ شیماں اپنی زبان سے ناول میں ماہنے سے اظہارِ محبت نہیں کرتی مگر اُس کا ماہنے کے لیے پیار بھرا رویہ اُس کی محبت کا غماز ہے۔ لیکن ماہنا اپنے منہ زور جذبۂ عشق سے مجبور ہو کر کھلے الفاظ کے ساتھ شیماں سے اظہارِ محبت کرتا ہے:

''مجھے تم سے پیار ہے شیماں!''(۱۵)

عبدالرحمٰن کی عمر جیسے جیسے آگے کی طرف سفر کرتی ہے اُس کی ذات میں سماجی شریعت کی حدود کا شعور پختہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ وہ شیماں سے سچا عشق کرتا ہے اور اُس سے شادی بھی کرنا چاہتا ہے۔ لیکن اس مرحلے پر اُس کی انا (Ego) گاؤں کی سماجی شریعت میں ذات برادری کے درمیان پائے جانے والے فرق کی طرف اُس کی توجہ مبذول کرواتا ہے۔ ناول میں ایک جگہ چوہدری شرف دین کی بیٹی حمیداں، عبدالرحمٰن اور شیماں کے درمیان ذات برادری کے امتیاز کی طرف اشارہ کرتی ہیں اور عبدالرحمٰن ذات برادری کے فرق کو شعوری طور پر محسوس کرتا ہے:

''نتھو خراسیے کی پوتی سے تمہارا کیا جوڑ؟''
''کیوں؟''
''وہ گاؤں کا کمیرا ہے اور تمہارا باپ جاٹ ہے۔ چوہدری کے بیٹے کا کمیروں سے کیا جوڑ؟''
میں حمیداں کی بات پر حیران ضرور ہوا پر مجھے یوں لگا جیسے اُس نے کوئی ایسی بات کہی ہو
جس کی سچائی میرے خمیر میں موجود ہو۔''(۱۶)

دیہات میں ذات برادری کا فرق ایک ننگی حقیقت ہے جس سے بغاوت دیہی سماج میں بہت بڑا جرم سمجھا جاتا ہے اور خاندان کی عزت مٹی میں ملانے کے مترادف گردانا جاتا ہے۔ ذات برادری کا فرق ایسی کھلی سچائی تھی جو ماہنے کے خمیر میں بھی شامل تھی۔ عبدالرحمٰن جب بھا اسلم سے شیماں کے بارے میں اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے تو بھا اسلم اسے کہتا ہے کہ اپنے من کی گہرائیوں میں جھانک کر دیکھو جب تمھارا دل کوئی فیصلہ کر لے تو میں تمھارا ساتھ دوں گا۔ سترھویں سال کے آغاز کے نقطے پر پہنچ کر ماہنا جب اپنے من کی اتھاہ گہرائیوں میں جھانکتا ہے تو سماجی بندھنوں کی

دیواریں اُسے نظر آتی ہیں۔ عمر کے اس مرحلے پر پہنچ کر معاشرتی ممنوعات کا عکس عبدالرحمٰن کے شعور میں پختہ ہو جاتا ہے۔ دیہی سماج میں ذات برادری کے اساسی امتیاز کی بنا پر عبدالرحمٰن شیماں کو اپنانے سے قاصر رہتا ہے۔ مگر اُس کے عشق کا جذبہ (اِڈ) اُس کی اِس حرکت کی وجہ سے ملامت کرتا ہے۔ عبدالرحمٰن (اِڈ) کی ملامت کو سہہ لیتا ہے۔ لہٰذا اِڈ پر فوق الانا غالب آجاتا ہے اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی سماجی بندھنوں سے سمجھوتہ کر لیتا ہے۔ عبدالرحمٰن فوق الانا (Super Ego) کے ہاتھوں مجبور ہو کر محبت کے جذبے (اِڈ) کا گلا گھونٹ دیتا ہے اور خود احتسابی کے عذاب کے بعد اعتراف کرتا ہے:

> ''میں جاٹ ہوں اور اب میں پڑھ لکھ گیا ہوں۔۔۔۔۔ میں اسے بھگا لے جاؤں تو لوگ کیا کہیں گے۔۔۔۔۔ جاٹ کا بیٹا خراسیے کی پوتی کو بھگا کر لے گیا۔۔۔۔۔ میں اس سے شادی نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا۔۔۔ میں بزدل ہوں میں وہ سپاہی ہوں جو ہتھیار اٹھائے بغیر میدان سے بھاگ گیا۔۔۔۔۔ میں نے اپنے من کی گہرائیوں میں جھانکنے کی آخر جرات کر ہی لی تھی اور اس آئینے میں اپنا ہارا ہوا چہرہ دیکھ کر مجھے شرم آئی تھی۔ مجھ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ میں زمانے کو ایک ٹھوکر سے اڑا دوں۔ اپنے سے باہر کا زمانہ خود بخود نہیں بدلتا۔ اسے بدلنا پڑتا ہے اور میں اسے نہیں بدل سکتا۔''(۱۷)

عبدالرحمٰن جبلی خواہشات کا حامل ضرور ہے مگر اُس کا سپر ایغو اُس کے اِڈ کو دبانے میں کامیاب رہتا ہے۔ عبدالرحمٰن سماجی ذمہ داریوں کا گہرا شعور رکھتا ہے۔ وہ چک مراد گاؤں کی ثقافتی روایات (Super Ego) کا علمبردار ہے۔ وہ اِڈ کی خواہش کے تناظر میں شیماں سے شادی تو کرنا چاہتا ہے لیکن سپر اِیغو کے احترام میں ذات برادری کے بت کو توڑنے کا حوصلہ بھی نہیں رکھتا۔ کبھی وہ اِڈ کے ہاتھوں مجبور ہو کر تخیل کی جنت میں رہ کر محبت کے احساس سے محظوظ ہوتا ہے اور کبھی اپنے آپ کو حقیقت (سپر اِیغو) کی ننگی بانہوں میں جکڑا ہوا محسوس کرتا ہے۔ معاشرتی ممنوعات (سپر اِیغو) کی حقیقت کے احساس اور جبلی خواہشات (اِڈ) کے درمیان کشمکش اس کی ذات میں مسلسل رہتی ہیں۔ عبدالرحمٰن کا سماجی اقدار کا پاس رکھنے والا شعور (سپر ایغو) ہمہ وقت عشق کے منہ زور جذبوں (اِڈ) سے جنگ لڑتا رہتا ہے اور اس طرح وہ اپنی ہی ذات کے کرب میں مبتلا رہتا ہے۔ عبدالرحمٰن کے کردار کی اس صفت کے بارے میں غلام جیلانی اصغر لکھتے ہیں:

> ''اس (عبدالرحمٰن) کے اندر جبلت (اِڈ) اور سماجی ذمہ داریوں یعنی شرافت (سپر اِیغو) کے درمیان ایک مستقل آویزش ہے۔ وہ شیماں کو حاصل بھی کرنا چاہتا ہے۔ لیکن برادری کا خود ساختہ بت اس کی راہ کی دیوار بن جاتا ہے۔ وہ بیک وقت جنت اور جہنم میں رہتا ہے اور خود احتسابی کے عذاب میں مبتلا ہے''(۱۸)

عبدالرحمٰن کے سپر ایغو نے اُس کی اِس طرح سے تربیت کی ہے کہ وہ افلاطونی محبت (Platonic Love) کا قائل ہو گیا ہے۔ وہ دِلوں میں پروان چڑھنے والی محبت کو گلی کی دہلیز تک نہیں لے کر آتا۔ اُس کا سپر اِیغو اس عمل کو

محبوب کی رسوائی کے مترادف سمجھتا ہے۔عبدالرحمٰن کی محبت تجریدیت سے مادیت کا سفر طے نہیں کرتی۔عبدالرحمٰن رجعت پسند(Atavistic)معاشرے کا فرد اور نمائندہ ہے اور دیہی سماج کی اُن تمام روایات کا پاس رکھنے والا کردار ہے جو نسل در نسل منتقل ہوتی چلی آ رہی ہے۔ عبدالرحمٰن اپنی محبت گاؤں کی عزت اور لاج پر قربان کر دیتا ہے۔ گاؤں کی روایات اُس کی ذات میں سرایت کر گئی ہیں۔ عبدالرحمٰن کا سپر اِیغو حرمت اور تقدس کا ایسا احساس لیے ہوئے ہے کہ وہ اپنے جبلی جذبوں(اِڈ)کو کچلنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

جب شیماں کو پہلی بار بہ طور سزا مستری کے ساتھ گاؤں سے نکالا جاتا ہے تو وہ خاموش رہتا ہے۔کیوں کہ اس وقت وہ شیماں کے متعلق بدگمان ہوتا ہے اور شیماں کو قصوروار سمجھتا ہے۔ مگر جب نتھو خراسیے کے مکان کی شیماں کے نام الاٹمنٹ کا معاملہ اُٹھا تو اس پر یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ شیماں بے قصور ہے۔اُس وقت عبدالرحمٰن کے دل میں محبت اور ہمدردی کا جذبہ(اِڈ)شدت اختیار کرتا ہے۔ اس لیے وہ الاٹمنٹ کے معاملے میں گاؤں کا پہلا مرد تھا جو ماسی ریشم کا ساتھ دیتا ہے۔ جیسے وہ اپنی پہلی بار کی خاموشی کا کفارا ادا کرنا چاہ رہا ہو۔ حالاں کہ اس عمل میں اُسے بے آبرو ہونے کا خدشہ بھی تھا۔ لیکن وہ اپنی پہلی خاموشی کا محض پراسیچت ہی نہیں کرتا بلکہ یہ ایک خالص ہمدردی اور سچی محبت کے جذبے (اِڈ)کا اظہار بھی ہے جو زمان و مکاں اور ذاتی و سماجی حالات (سپر اِیغو) سے ماورا حیثیت اختیار کر جاتا ہے۔ عبدالرحمٰن جانتا ہے کہ شیماں مظلوم ہے اس لیے اُسے حق دلوانے کے لیے عشق کے جذبے کی پکار پر لبیک کہتا ہے۔

کسی بھی معاشرے کی اقدار خود معاشرے کی اپنی بنائی ہوئی ہوتی ہیں۔ چاہے وہ اقدار بنیادی انسانی حقوق کو پامال کرنے والی ہی کیوں نہ ہو۔ مثلاً فرد کی آزادیٔ فکر و رائے، اپنی مرضی سے اپنے جیون ساتھی کے انتخاب کا حق، استحصالی قوتوں اور ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے کی آزادی و حق، یہ وہ بنیادی انسانی حقوق ہیں جنھیں اجتماعی طور پر بین الاقوامی سطح پر تسلیم کیا گیا ہے۔ اگر اِن حقوق کی پاسداری کے تناظر میں عبدالرحمٰن کے کردار کا جائزہ لیں تو یہ کسی حد تک منفعل نظر آتا ہے۔ مگر معاشرتی ممنوعات(Social Taboos)کے احترام کے تناظر میں عبدالرحمٰن کے کردار کا جائزہ لیں تو یہی کردار انتہائی معزز، شریف النفس اور فرمانبردار نظر آتا ہے۔ عبدالرحمٰن مکمل طور پر معاشرتی تحریمات کے دائرے کے اندر رہ کر اور معاشرتی اقدار کی پاسداری کر کے زندگی گزارتا ہے۔ اسے ہمیشہ (سپر اِیغو) کے تناظر میں یہی فکر لاحق رہتی ہے کہ ”لوگ کیا کہیں گے؟“ عبدالرحمٰن پورے ناول میں اس ڈر کی قید سے باہر نہیں آتا۔ ”میرا گاؤں“ ناول کا ”چک مراد“ نامی گاؤں دیہی اور دہقانی سماج کی روایات کا نمائندہ گاؤں ہے اور اس گاؤں کی نسل در نسل منتقل ہونے والی روایات کا علمبردار کردار عبدالرحمٰن عرف ماہنا ہے۔ عبدالرحمٰن کی ذات سپر اِیغو کی مکمل نمائندگی کرتی ہے۔ ”چک

مراد'' کی روایات کی پاسبانی کے حوالے سے عبدالرحمٰن اس گاؤں کا حقیقی نمائندہ کردار ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر ناصر عباس نیئر لکھتے ہیں:

> ''ساختیات اور نشانیات (Semiotics) کا بنیادی موقف یہ ہے کہ انسانی ذات معاشرتی کوڈز اور کنونشنز سے عبارت ہے۔ انسان اپنی سماجی اور تہذیبی نشانیات سے رہائی نہیں پا سکتا اور اپنے اظہاری عمل میں اپنی کسی انفرادی ذات کا نہیں ثقافتی 'ساخت' کا ابلاغ کرتا ہے۔ اس تناظر میں چوہدری عبدالرحمٰن عرف ماہنا چک مراد کا حقیقی نمائندہ ٹھہرتا ہے۔ اس کی ذات میں گاؤں کی سب اقدار، روایات، تصورات، تعصبات، مثبت اور منفی عناصر یکجا ہو گئے ہیں۔ ماہنے کا ہر عمل، ہر احساس چک مراد کی کہانی کا ہی کوئی نہ کوئی پرتو ہے۔''(۱۹)

ناول میں غلام الثقلین نقوی نے مرکزی کردار کو عبدالرحمٰن اور (عرف) ماہنے کی شکل میں دو حصوں میں پیش کیا ہے۔ عبدالرحمٰن اور ماہنا ایک ہی جسم و قالب میں پرورش پانے والے دو کردار ہیں۔ عبدالرحمٰن سپر اِیغو (Super Ego) اور ماہنا اِڈ (Id) کی نمائندگی کرتا ہے۔ عبدالرحمٰن چک مراد کی اخلاقی اقدار کی پاسداری رکھنے والا دانش مند نوجوان ہے جسے اپنے چوہدری ہونے کا احساس بھی ہے اور وہ اس بات کو بھی نظر انداز نہیں کرتا کہ شیماں ایک کامے کی بیٹی ہے۔ عبدالرحمٰن کو چوہدریوں کی برادری میں رہتے ہوئے اپنی عزت اور بے عزتی کا پورا احساس ہے۔ اُسے گاؤں میں ذات برادری کے امتیاز کا پورا ادراک ہے۔

دوسری طرف ماہنا بھی خرد مند کردار ہے۔ مگر عقل کے مقابلے میں اُس کے عشق کا جذبہ (اِڈ) زیادہ طاقتور ہے اور وہ جذباتی طرزِ عمل کا حامل ہے۔ اُس کی سوچ میں باغیانہ عناصر بھی موجود ہیں اور آتش عشق میں بے خطر کود پڑنے کی صلاحیت بھی ہے۔ ماہنے کے جذباتی عشق کا جذبہ شیماں کو گاؤں بدر کیے جانے کے باوجود بھی قائم رہتا ہے اور وہ اپنی عزت کی پرواہ کیے بغیر شیماں کا ساتھ دینے کے لیے پورے گاؤں کے آگے ڈٹ جاتا ہے۔

عبدالرحمٰن اپنے سپر اِیغو سے مجبور ہو کر بھا اسلم کی بہن زینت سے شادی کے حوالے سے رضامندی کا اظہار کر دیتا ہے۔ لیکن ماہنے کے دل میں یہ شادی کانٹا بن کر رہ جاتی ہے۔ ماہنا زینت سے منگنی کے دن سے لے کر سہاگ رات تک فاصلے پر رہتا ہے اور اُسے اپنے دل میں وہ جگہ بنانے نہیں دیتا جو ایک منگیتر اور شریک حیات کے لیے مخصوص ہے اور جب شادی کی شبِ عروس آتی ہے تو اِس کا مزہ ماہنے کے منہ میں راکھ بن جاتا ہے۔ اس کیفیت کو ماہنے نے یوں بیان کیا ہے:

> ''میرا جسم ٹھنڈا تھا۔ میری روح ٹھنڈی تھی۔ میں زینت کے جہیز میں آئے ہوئے پلنگ پر لیٹا رہا اور سمٹی سمٹائی زینت مجھ سے نظریں چرائے دیوار کی طرف منہ کیے بیٹھی رہی

۔۔۔۔۔میں نے اس کا گھونگٹ بھی نہ الٹا۔اس کا مزاج بھی نہ پوچھا۔کون جانے اس کے
دل پر کیا گزرتی رہی۔۔۔۔۔تب رات گزر گئی اور میں منہ اندھیرے اٹھا اور بھٹے پر چلا
گیا۔"(۲۰)

اس مقام پر ماسی ریشم محتسب کا نہیں بلکہ رہنما کا کردار ادا کرنے کے لیے منظر عام پر ظاہر ہوتی ہے اور ماہنے سے سیدھا اور دوٹوک سوال کرتی ہے:

"وہ کون ہے جو تیری اور زینت کی راہ میں روڑا بن کر اٹک گیا ہے۔"(۲۱)

ماسی اس راہ نمائی اور خبر داری سے منہ زور ماہنے (اِڈ کا نمائندہ) کو پس منظر میں دھکیل دیتی ہے اور ہوش مند اور ذمے دار عبدالرحمٰن (سپر اِیغو کا نمائندہ) رونما ہو جاتا ہے جو زینت کا شوہر ہے اور اس سماجی حقیقت کا اعتراف یوں کرتا ہے:

"اس رات میں نے زینت کو پہلی بار اس عورت کے روپ میں دیکھا جس کے بدن سے
میرا بدن مل سکتا تھا۔خواہ دلوں کے درمیان کالے کوسوں کا فاصلہ ہی کیوں نہ ہو۔"(۲۲)

ایک سہاگن کو اس کا سہاگ دلانے کے حوالے سے یہ معمولی واقعہ نہیں ہے بلکہ شیماں کے عشق کی آتش میں سلگنے والے ماہنے کو عبدالرحمٰن کے قالب میں لانے اور بھٹکی ہوئی روح اور بکھری ہوئی شخصیت کو زندگی کی روایتی اور رواجی ڈگر پر ڈالنے کا اہم واقعہ ہے۔

منہ زور ماہنا سماجی اقدار اور معاشرتی ممنوعات کو توڑ کر اپنے من کی خواہش پوری کرنا چاہتا ہے اور ناول میں ایک لمحہ ایسا بھی آتا ہے کہ ماہنا شیماں کو مکان کا قبضہ دلانے کے لئے تمام سماجی بندھنوں کی پرواہ کیے بغیر پورے گاؤں کی دشمنی مول لیتا ہے۔اس کے علاوہ رات کے اندھیرے میں شیماں سے ملنے چلا جاتا ہے۔ان دو لمحوں پر ماہنا(اِڈ) عبدالرحمٰن (سپر ایغو) پر غالب آجاتا ہے۔باقی تمام مرحلوں اور موقعوں پر عبدالرحمٰن (سپر اِیغو) ہی ماہنے (اِڈ) پر غالب رہتا ہے۔ناول کے مختلف موقعوں پر ماہنے اور عبدالرحمٰن کے درمیان سرد جنگ بھی رہتی ہے مگر اس جنگ میں زیادہ تر عبدالرحمٰن کی ہی جیت ہوتی ہے۔ایسی جنگ اور تکرار کا ایک منظر اس وقت سامنے آتا ہے جب شیماں کو دوبارہ گاؤں بدر کرنے کا حکم سنایا جاتا ہے۔اس موقع پر ماہنے اور عبدالرحمٰن کے درمیان تکرار ملاحظہ کیجیے جس میں ماہنا عبدالرحمٰن کو کوستا ہے اور اسے شیماں کا مجرم سمجھتا ہے۔ماہنا اپنے آپ کو مجرم سمجھ کر خود احتسابی کے عذاب سے گزرتا ہے۔نمبردار جب ماسی ریشم کے منہ سے کڑوا سچ سنتا ہے اور اس کی تاب نہ لاتے ہوئے اپنے گھر میں پناہ لے لیتا ہے۔اس وقت عبدالرحمٰن کی خود احتسابی اور ماہنے اور عبدالرحمٰن کے درمیان تکرار شروع ہو جاتی ہے:

''میں اتنا دکھی کیوں ہو گیا ہوں؟''میری سوچ نے مجھ سے پوچھا۔

''تم نے بھی تو اندھیری رات کا چور بننا چاہا تھا۔''میرے سائے نے جواب دیا۔۔۔

''اپنے آپ کو دھوکا نہ دو۔''میرا سایہ بولا۔

''تم نہیں جاؤ گے تو میں چیخ چیخ کر کہوں گا، لوگو! اصل گنہگار تو میں ہوں۔ تم مجھے سولی پر کیوں نہیں کھینچتے؟ اس بے بس لڑکی کو پہلا دیس نکالا بھی تو میں نے دیا تھا کیونکہ میں چناں پار سے اسے آواز نہ دے سکا تھا۔۔۔ کیونکہ میں ایک جاٹ کا راٹھ بیٹا تھا اور اس نے ایک کمیرے کے گھر میں جنم لیا تھا۔۔۔۔ یہ ایک شریف باپ کا شریف بیٹا تھا جس نے اپنے چہرے پر ریاکاری کا نقاب اوڑھ رکھا تھا۔ اُس نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا تھا کیونکہ وہ گاؤں کا سپوت اور اُس کی عزت کا رکھوالا تھا۔ جو میں ذرا سی آواز بھی نکالتا تو وہ میری زبان گدی سے کھینچ لیتا۔۔۔۔۔ پھر لوگوں نے ایک آواز ہو کر فیصلہ کر دیا۔

''نتھو کی پوتی کو گاؤں سے نکال دو''۔۔۔ میں اس فیصلے کے خلاف کوئی احتجاج نہ کر سکا تھا۔ میں نے پگڑی کے پلّو سے نہیں، اس نقاب سے چہرہ چھپا لیا تھا جس کو میں نے ابھی ابھی اوڑھا تھا۔''(۲۳)

عبدالرحمٰن ماہنے سے کہیں زیادہ طاقت ور ہے اور ''لوگ کیا کہیں گے'' کہ خوف سے مغلوب ہو کر ماہنے کو شکست سے دوچار کر دیتا ہے۔

سگمنڈ فرائڈ انسانی ذہن کو تین خانوں شعور، تحت الشعور اور لاشعور میں تقسیم کرتا ہے۔ اس کے مطابق انسانی نا آسودہ خواہشات مٹتی نہیں ہیں بلکہ انسانی لاشعور، جسے وہ گہرے سمندر سے تشبیہ دیتا ہے، میں ڈوب جاتی ہیں اور وقتاً فوقتاً علامتی طور پر خواب میں اپنا اظہار پاتی ہیں۔ سگمنڈ فرائڈ من میں جنم لینے والی خواہش کو ایڈ (Id) کا نام دیتا ہے اور شعور کو سپر ایغو (Super Ego) کا نام دیتا ہے۔ جب انسان جاگتا ہے اور رنگ و بو کی دنیا میں دنیا داری نبھاتا ہے، معاشرتی بندھنوں کے اندر رہ کر زندگی گزارتا ہے اور اپنے من کی بہت ساری خواہشات کو معاشرتی مجبوریوں کے تحت دبا دیتا ہے تب یہ خواہشات لاشعور کے گہرے سمندر میں ڈوب جاتیں ہیں۔ لیکن جب انسان نیند کی حالت میں ہوتا ہے اور شعور کا پہرا دار سو جاتا ہے تو یہی نا آسودہ خواہشات لاشعور سے اُبھر کر خواب میں علامتی انداز میں تسکین پاتی ہیں۔ ماہنا بھی من کی خواہش کی تسکین خواب میں پاتا ہے۔ چودھری عبدالرحمٰن جو سپر ایغو (Super Ego) کا نمائندہ ہے دن کے اُجالے میں معاشرتی پابندیوں کے ڈر سے شیماں سے اغماض برتتا ہے لیکن نیند کی حالت میں چودھری عبدالرحمٰن (سپر ایغو) سو جاتا ہے اور ماہنا (اِڈ) جاگ جاتا ہے اور خواب میں اپنی خواہش کی تکمیل کرتا ہے۔ ناول نگار نے ناول میں لاشعور کو اندھا کنواں اور انسانی خواہش (اِڈ) کو من کی آواز کہا ہے۔ ناول نگار نے خواب کی حالت میں ماہنے کی شیماں سے جنسی تسکین پانے اور دن کے اجالے میں ماہنے اور عبدالرحمٰن کی تکرار عبدالرحمٰن کی زبانی یوں بیان کیا ہے:

"کچھ آوازیں من کے کنویں سے آتی ہیں۔ ہم ان سے چُھپتے بھاگتے ہیں۔ پر وہ ہمارا پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ یہیں آوازرات کو خواب بن کر آتی تو میں صبح جاگ کر اسے بھول جانے کی کوشش کرتا۔ میں خوابوں میں شیماں کو دیکھتا۔۔۔ اس سے ہم کلام ہوتا اور میں نے کئی بار اس کے بدن کو چھو لیا۔ میرا خیال تھا کہ اب میں بچپن اور جوانی کی سرحد سے بہت دُور آگے نکل گیا ہوں۔ میں ایک ذمے دار شوہر ہوں۔۔۔۔۔ مجھے ایسے خواب نہیں دیکھنے چاہیے۔ مجھے کئی بار ماتھے سے شرم کا پسینہ پونچھنا پڑا۔"(۲۴)

ناول میں ایک مقام پر ماہنا اپنے دِل کی اندھی خواہش سے مجبور ہو جاتا ہے اور دوسرے لوگوں کی طرح وہ بھی شیماں کے جسم سے پیاس بجھانے کے جذبے سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ عبدالرحمٰن جو بچپن سے لے کر اب تک گاؤں کی عزت کا رکھوالا ہے، جس نے کبھی گاؤں کی کسی لڑکی پر بری نظر نہیں ڈالی، جس نے ماں باپ کی خوشی کے لیے وہیں شادی کی جہاں انھوں نے کہا اور جس کا ایک بچہ بھی ہے، جس کو اپنی بہن سے پیار ہے، جو ماں کے قدموں تلے اپنی جنت تلاش کرتا ہے، جس نے باپ کے سامنے ہمیشہ سر جھکایا، جو گاؤں کا سپوت ہے اور گاؤں کو اس پر ناز ہے کیونکہ اس نے گاؤں کو کبھی دھوکا نہیں دیا، وہ بھی من کی منہ زور خواہش (اِڈ) کے آگے اپنے آپ کو بے بس پاتا ہے اور رات کے اندھیرے میں چوروں کی طرح شیماں کے گھر جانے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ ناول نگار نے ماہنے (اِڈ) اور عبدالرحمٰن (سپر اِیغو) کے درمیان کشمکش کو یوں بیان کیا ہے:

(ماہنا)"تم جھوٹ بول بول کر اپنے آپ کو دھوکہ دیتے رہے، تمہارے ہونٹوں پر پپڑیاں جمی رہیں اور تم انہیں ایک گھونٹ پانی سے تر نہ کر سکے۔"
(عبدالرحمٰن)"میں تمہاری باتوں میں نہیں آؤں گا۔"
(ماہنا)"جس چشمے سے تمہاری پیاس بجھ سکتی تھی تم اُسے دور سے تکتے رہے۔"
(عبدالرحمٰن)"ہاں! تم سچ کہتے ہو۔"(۲۵)

ماہنا اپنے من کے جذبے سے مغلوب ہو جاتا ہے اور دِل کی پیاس بجھانے کے لیے رات کے اندھیرے میں چوروں کی طرح شیماں کے گھر چلا جاتا ہے۔ لیکن شیماں ماہنے کے اس عمل کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ ماہنا جب اِڈ سے مغلوب ہو کر جنسی لذت حاصل کرنے کی خاطر شیماں کی طرف بڑھنے لگتا ہے تو شیماں اُسے کہتی ہے:

"ماہنے! رُک جاؤ۔ دن کے اُجالے میں آنا۔ میں اس دروازے پر کھڑی تمھیں مسکراتی ہوئی ملوں گی۔"(۲۶)

شیماں کے اس جواب کے بعد ماہنے کی ذات میں سپر اِیغو جاگ جاتا ہے اور وہ فوراً یہ کہہ کر واپس چلا آتا ہے:

"اب میں دن کے اُجالے میں آؤں گا۔ میں رات کا چور نہیں بنوں گا۔"(۲۷)

ماہنے کی ذات میں منہ زور جذبے مختلف اوقات میں صرف جوانی کی عمر تک نمودار ہوتے ہیں۔ جونہی چودھری عبدالرحمٰن اُدھیڑ عمر میں داخل ہوتا ہے تو اُس کی ذات مکمل طور پر سپر اِیغو کے تابع ہو جاتی ہے۔ اور وہ اپنے والدین کی طرح سپر اِیغو کا نمائندہ بن کر رہ جاتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ تحلیل نفسی کا اجمالی خاکہ، سگمنڈ فرائڈ، مترجم: ظفر احمد صدیقی، پروفیسر، ترقی اُردو بیورو، نئی دہلی، اکتوبر، دسمبر، ۱۹۸۵ء، طبع اوّل، ص ۱۰

۲۔ نعیم احمد، فرائڈ: نظریۂ تحلیل نفسی، ڈاکٹر، نگارشات پبلشرز، ۲۴۔ مزنگ روڈ، لاہور، ۲۰۱۹ء، ص ۳۱

۳۔ تحلیل نفسی کا اجمالی خاکہ، سگمنڈ فرائڈ، مترجم: ظفر احمد صدیقی، پروفیسر، ترقی اُردو بیورو، نئی دہلی، اکتوبر، دسمبر، ۱۹۸۵ء، طبع اوّل، ص ۳۷

۴۔ ایضاً، ص ۳۷۔۴۷

۵۔ نعیم احمد، فرائڈ: نظریۂ تحلیل نفسی، ڈاکٹر، نگارشات پبلشرز، ۲۴۔ مزنگ روڈ، لاہور، ۲۰۱۹ء، ص ۳۵

۶۔ ایضاً، ص ۳۷

۷۔ ایضاً، ص ۴۰

۸۔ تحلیل نفسی کا اجمالی خاکہ، سگمنڈ فرائڈ، مترجم: ظفر احمد صدیقی، پروفیسر، ترقی اُردو بیورو، نئی دہلی، اکتوبر، دسمبر، ۱۹۸۵ء، طبع اوّل، ص ۱۰

۹۔ نعیم احمد، فرائڈ: نظریۂ تحلیل نفسی، ڈاکٹر، نگارشات پبلشرز، ۲۴۔ مزنگ روڈ، لاہور، ۲۰۱۹ء، ص ۳۷

۱۰۔ غلام الثقلین نقوی، "میرا گاؤں"، ضیائے ادب، ۲۴۔ گل زیب کالونی، سمن آباد، لاہور، جولائی ۱۹۸۲ء، ص ۱۹

۱۱۔ ایضاً، ص ۲۷

۱۲۔ ایضاً، ص ۵۴

۱۳۔ ایضاً، ص ۵۵

۱۴۔ ایضاً، ص ۵۳

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۳۳

۱۶۔ ایضاً، ص ۴۲

۱۷۔ ایضاً، ص ۱۴۸

۱۸۔ غلام جیلانی اصغر، پروفیسر، ''میرا گاؤں''، ایک تاثر، محفل، محمد خان کلیم، جلد ۴۱، شمارہ ۱۲، ۱۹۹۵ء، ص ۳۴

۱۹۔ ناصر عباس نیئر، ڈاکٹر، میرا گاؤں۔ ایک مطالعہ، محفل، محمد خان کلیم، جلد ۴۱، شمارہ ۱۲، ۱۹۹۵ء، ص ۳۶

۲۰۔ غلام الثقلین نقوی، "میرا گاؤں"، ضیائے ادب، ۲۴۔ گل زیب کالونی، سمن آباد، لاہور، جولائی ۱۹۸۲ء، ص ۲۱۰

۲۱۔ ایضاً، ص ۲۱۲

۲۲۔ ایضاً، ص ۲۱۳

۲۳۔ ایضاً، ص ۳۱۰

۲۴۔ ایضاً، ص ۲۴۶

۲۵۔ ایضاً، ص ۳۰۰

۲۶۔ ایضاً، ص ۳۰۳

۲۷۔ ایضاً، ص ۳۰۳